سوچ پہلی اور کوشش دوسری منزل ہے

تحریر: سہیل احمد لون

گزشتہ ایک برس سے کرونا وائرس نے دنیا کو وحشت زدہ کرر کھا ہے' کرونا وائرس کی دہشت نے بڑے بڑے معاشی پہلوان ممالک کی معیشت کو چند ماہ میں چت کر کے رکھ دیا ہے۔غور وفکر کر کے انسانیت کی خدمت کرنے والے سر جوڑ کر اس وائرس کا اینٹی وائرس یا ویکسین تیار کرنے میں مگن اور شارٹ کٹ کے ماہر ٹوٹکے بتانے میں لگے رہے۔برطانیہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ پہلا ملک ہے جس نے Pfizer COVID-19 jab لگانے کی منظوری دی، دوسرے نمبر پر کینیڈا نے یہ ویکسین لگانے کی اجازت دی۔ آٹھ دسمبر کو صبح 6:31 بجے نوے برس کی مارگریٹ کو برطانیہ میں سب سے پہلے ویکسین لگائی گئی تو مجھے ویکسین کے خالق فزیشن Edward Jenner کی یاد آ گئی۔ یہ وہ ہستی ہے جس نے دنیا میں پہلی وبائی مرض چیچک کی ویکسین تیار کی تھی۔14 مئی 1796ء کو جب ڈاکٹر Edward Jenner نے آٹھ برس کے James Phipps کو تجرباتی طور پر Cowpox ویکسین دی تو وہ تاریخ میں پہلی ویکسین بنانے اور لگانے والے سائنسدان بن گئے۔اس دور میں وبائی امراض کا شکار ہو کر مرنے والوں کی تعداد خاصی تھی جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف چیچک سے تقریباً دس فیصد آبادی لقمہ اجل بن جاتی تھی۔انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور میں کرونا وائرس کی ویکسین کی تیاری کے مراحل سے لے کر اسے لگانے کے عمل کی جیسے تشہیر ہوئی ویسی تشہیر اور پزیرائی Edward Jenner کے دور میں ممکن نہیں تھی اور نا ہی ایسی جدید سہولیات میسر تھیں جن کی مدد سے ویکسین تیار کرنے کے مراحل میں آسانی اور تیزی آ سکتی۔ Edward Jenner جنہیں طبی حلقوں میں بابائے immunology کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، 1770ء میں صرف 21 برس کی عمر میں لندن میں St George's Hospital نے طب میں اپنی عملی زندگی کا آغاز سرجن جان ہنٹر کی زیرنگرانی Edward Jenner کام کر کے کیا۔ John Hunter نے ایڈورڈ جینر کو ایک ایسی نصیحت کی جو آج بھی میڈیکل سرکل میں بہت مشہور ہے "Don't think; try." ۔1773ء میں ایڈورڈ جینر سرجن ڈاکٹر بن چکا تھا اور Berkeley میں باقاعدہ کام بھی شروع کر دیا تھا۔ Jenner نے اپنے گرو کی بات کو زندگی کا منشور بنا دیا اور اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کوشش بھی کرنا شروع کر دی۔اس دور میں چیچک کی وباء بہت پھیلی ہوئی تھی۔اپنے ہوم ٹاؤن Berkeley کے ایک دیہی علاقے میں کام کرتے ہوئے ایک مرتبہ اس نے دودھ بیچنے والوں milkmaids پر غور کیا تو اس نے یہ دریافت کی اکہ ان کی جلد عام لوگوں کی نسبت بہت ملائم، شفاف اور کسی قسم کے دانوں کے نشانات خصوصاً smallpox کے نشانات سے پاک تھی۔اس چیز نے اس کو مزید سوچنے پر مجبور کر دیا، تحقیق کی غرض سے اس نے Milkmaids سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ دودھ نکالتے ہوئے ان کے ہاتھ اکثر گائے پر نکلے ہوئے Cowpox سے بچ ہوتے رہتے ہیں، اس لیے ان کو چیچک یا کوئی اور جلدی امراض سے واسطہ نہیں پڑتا۔اپنے گرو John Hunter کی نصیحت کے مطابق Jenner نے اسے صرف سوچنے تک محدود رکھنا مناسب خیال نہ کیا بلکہ اس کا راز جاننے کی عملی کوشش

شروع کردی۔ آخر قدرت نے اسے وہ موقع فراہم کردیا جس نے اس کی تحقیق کے دروازے کھولنے میں مدد کی، اس کے علاقے کی ایک Milkmaid جس کا نام Sarah Nelmes تھا اس کے پاس کلینک میں آئی کیونکہ اس کے ہاتھ میں ایک چھالہ بنا ہوا تھا۔ سارہ نے بتایا کہ دودھ نکالتے اس کے ہاتھ گائے کی جسم پر نکلے ہوئے دانوں Cowpox سے لگے تھے اس کے بعد یہ چھالہ بن گیا۔ Jenner نے صرف سوچنے کی بجائے گرو کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے کوشش کرنے پر فوکس کیا۔ اس نے سارہ نیلمس کے آبلے سے مادہ نکال کر اپنے مالی کے آٹھ برس کے بچے James Phipps میں جان بوجھ کر داخل کردیا۔ جیمز فپس میں جب Cowpox داخل کیا گیا تو بالکل تندرست تھا، cowpox مادہ داخل کرنے کے بعد اس کی طبیعت ہلکی سی خراب ہوئی جیسے آجکل بھی کوئی ویکسین لگانے کے بعد ہوتی ہے۔ ایک مخصوص وقت گزرنے کے بعد Edward Jenner نے بچے میں smallpox کا مادہ بھی داخل کردیا اور حیران کن طور پر بچے کو چیچک کے وائرس کا اٹیک نہ ہوا۔ جس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ cowpox کا وائرس جسم میں موجود ہو تو smallpox وائرس اثر انداز نہیں ہوتا، یعنی جسم میں اس وائرس کے خلاف ایک اینٹی وائرس مدافعت کے طور پر کام کر رہا ہوتا ہے۔ Jenner نے سوچا کہ اس کی ایجاد کردہ ویکسین ہوسکتا ہے کہ مالی مشکلات کی وجہ سے تمام لوگوں کی دسترس میں نہ ہو اس لیے اس نے یہ بھی کوشش کی کہ جو اسے خرید نہیں سکتا اسے یہ فری ملے۔ اس مقصد کے لیے اس نے بہت محنت کی۔ ایک جگہ Jenner نے لکھا تھا "On average I am at least six hours daily with my pen in my hand bending over cow's horn and tawny as whey writing paper till I am grown as crocked as a butter." ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کا شمار برطانیہ کے سو بہترین انسانوں میں کیا جاتا ہے۔ قرآن میں بھی متعدد بار غور فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، غور و فکر کرنے کے بعد انسان جب کچھ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو کوئی نئی چیز دریافت بھی ہوسکتی ہے۔ اگر نیوٹن بھی درخت سے گرا سیب اٹھا کر کھا لیتا، اس بات پر نہ سوچتا کہ درخت سے سیب نیچے ہی کیوں گرا ہے اوپر کیوں نہیں گیا تو شاید وہ قوانین حرکت پیش نہ کرپاتا۔ Jenner دنیا کو پہلی ویکسین دینے والا بندہ ہی نہیں تھا بلکہ دنیا کا پہلا فری vaccination کلینک متعارف کروانے کا سہرا بھی ایڈورڈ جینر کے سر ہے۔ اس کا آغاز انہوں نے ہفتے میں ایک بار اپنے گھر کے گارڈن میں فری ویکسین دینے سے کیا تھا۔ دنیا کو چیچک سے نجات دلانا ان کا مشن بن گیا تھا اس کے لیے انہوں نے انتھک محنت کی جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کبھی ملک سے باہر سفر پر نہیں گئے۔ Pfizer/BioNTech COVID-19 vaccine دراصل ایڈروڈ جینر کے تحقیقی فامولے کی بنیاد پر ہی ایجاد ہوئی ہے۔ اس وقت جدید مائیکروسکوپ اور مائیکروبائیولوجیکل جیسے آلات سے ویکسین بننے کے مراحل میں نسبتاً آسانی اور تیزی ممکن ہے۔ آج ہم کووڈ 19 کی شکل میں ایک نئی وبائی مرض کا سامنا کر رہے ہیں، دنیا بھر کے 140 ممالک کے رہنماؤں نے لوگوں کے لیے patent-free ویکسین کا مطالبہ کیا ہے اس کے ساتھ اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ویکسین کے لیے مساوی اور منصفانہ رسائی کے مواقع پیدا کیے جائیں، ویکسین کی تقسیم اور ترسیل کا ایسا طریقہ وضع کی جائے جس سے معاوضہ کی بجائے علاج کی ضرورت پر دھیان دیا جائے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں ابھی تک اس بات پر اتفاق نہیں ہوا کہ کرونا وائرس حقیقت ہے یا کوئی یہودی

سازش؟ میڈیا کا نیوز ایجنڈا اور سوشل میڈیا کا ٹرینڈ دیکھ کر ہمیں اپنی سوچ کے زاویے کا پتہ چل سکتا ہے......اگر سوچ کا معیار یہ ہے تو کوشش کرنے کا بھی کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ مثبت سوچ ہمیں درست راہ دکھاتی ہے۔ پاکستان میں ایک طرف کرونا کی موجودگی سے انکار کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف اس سے بچنے کے وظائف سے مستفید ہونے کا پرچار بھی جاری ہے۔ایسے حالات میں ہم کچھ بھی ایجاد یا دریافت نہیں کر سکتے کہ ہمارے سوچنے کے انداز نے اُس حقیقت کو تسلیم ہی نہیں کیا جس کے خلاف ہم لڑنا چاہتے ہیں۔ زندگی کے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ یہ صرف اُن چیلنجز کے خلاف کھڑی ہوتی ہے جن کو یہ چیلنجز سمجھ لے اور چیلنجز کو سمجھنے کیلئے ہمارا انداز فکر انتہائی سائنسی ہونا چاہیے۔سوچ انسان کی پہلی جبکہ کوشش دوسری منزل ہوتی ہے اور پہلی منزل پائیدار تعمیر کیے بغیر دوسری منزل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

10-12-2020